اس طویل اقتباس کے لیے معافی کا خواستگار ہوں لیکن رفع التباس کے لیے یہ ضروری تھا۔
اب اس امر کا فیصلہ آپ کی ضمیر پر چھوڑتا ہوں کہ آیا اصل اقتباس اور مبینہ اقتباس میں جو بین تفاوت ہے، وہ دینی احتیاط یا صحافتی دیانت سے کہاں تک ہم آہنگ ہے اور اسے اشارات نگار کی سادگی اور زود اعتباری پر محمول کیا جائے یا اُن کے راوی کی کذب آمیز تخیل کاری پر۔ کیا فاضل اشارات نگار کو اس تقریر کی بنا پہ یہ حق حاصل تھا کہ اس ادنیٰ گنہگار کو اُن لوگوں کے زمرے میں شمار کرے جو اسلام پر ایمان نہیں رکھتے اور جن کا اسلام سے کوئی ربط نہیں رہا؟ فاضل صاحبِ تحریر اُس وعید سے بھی نہیں ڈرے جو حضرت ابوذرؓ سے روایت شدہ حدیث میں موجود ہے "عن ابی ذر رضی اللہ عنہ سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا یرمی رجل رجلًا بالفسوق ولا یرمیہ بالکفر الا ارتدت علیہ ان لم یکن صاحبہ کذالک" (رواہ بخاری)

گر مسلمانی ازیں است کہ حافظ دارد
آہ اگر از پے امروز بود فردائے!

کیا میں امید کر سکتا ہوں کہ آپ میرے اس خط کو بجنسہٖ اپنے رسالہ کی کسی قریبی اشاعت میں شامل کر کے مجھے مطلع فرمائیں گے تاکہ میں دیکھ سکوں کہ آپ نے کہاں تک اس اتہام طرازی کی تلافی کی ہے؟ اور اگر کسی وجہ سے آپ کی اخلاقی جرأت اس کی اشاعت کی متحمل نہیں ہو سکتی تو میں ممنون ہونگا اگر آپ یہ خط مجھے واپس کر دیں۔

نیاز مند: شیخ عبدالرحمٰن

جناب ایس۔ اے رحمٰن صاحب کی خدمت میں چند گزارشات

از عبدالحمید صدیقی

مکرمی۔ سلام و رحمت۔

جناب کا نوازش نامہ مدیر "ترجمان القرآن" مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی وساطت

سے نظر افروز ہُوا - یاد آوری کے لیے سراپا سپاس ہوں - آپ میرے جن الفاظ اور فقروں سے آزردہ خاطر ہوئے ہیں، مجھے اُن کے استعمال پر ہرگز اصرار نہیں اس لیے میں نہایت ادب سے اُن کے لیے معافی چاہتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ آپ مجھے معاف فرمائیں گے - اس تحریر سے میرا مقصد کسی کا دل دکھانا نہ تھا بلکہ اُن رجحانات کی نشاندہی کرنا تھا جنہیں میں ایمانداری کے ساتھ خلافِ دین پاتا ہوں -

مَیں نے آپ کے خط میں دیئے ہوئے طویل اقتباسات کو کئی مرتبہ بڑے غور سے پڑھا ہے اور اس امر کی کوشش کی ہے کہ اپنی اُس غلطی کو معلوم کروں جو مَیں نے بعض باتیں آپ کی طرف منسوب کرنے میں کی ہے - الفاظ کا اختلاف تو بلاشبہ ہے لیکن میں بصد احترام عرض کرتا ہوں کہ میں نے آپ کے جس رجحانِ فکر پر تنقید کی ہے اُس کا سارا مواد آپ کے اس پیش کردہ اقتباس کے اندر بھی موجود ہے - اس میں آپ کا موقف جوں کا توں برقرار رہتا ہے اور مجھے تعجب ہے کہ اس کو تسلیم کرتے ہوئے آپ نے میرے اوپر اعتراض کرنے کی بجائے خود اُسی پر کیوں غور نہیں فرمایا - میں آپ سے گذارش کروں گا کہ آپ پھر ایک مرتبہ اپنی اس عبارت کو ملاحظہ فرمائیں :-

"جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں، یہ کہنا ناگزیر ہے کہ قرآن مجید میں ہماری رہنمائی کے لیے اصولی مواد تو موجود ہے بعض معاملات کے متعلق قوانین کی صورت میں تشریح بھی کر دی گئی ہے - لیکن قرآنِ کریم نے یہ دعویٰ کہیں نہیں کیا کہ اس میں ہر علم کی جزئیات تک موجود ہیں - قرآن نے یہ دعویٰ ضرور کیا کہ تمہارے لیے آج دین کو مکمل کر دیا گیا اور یہ بھی اعلان کر دیا کہ یہ دین تمام زمانوں، تمام ممالک اور تمام قوموں کے لیے ہے - لیکن بامتدادِ زمانہ ملکوں اور قوموں کی ضروریات بدلتی رہتی ہیں، اُن کے تقاضے بدلتے رہتے ہیں - یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنی حدود کے اندر رہتے ہوئے قانون کی جزئیات میں تبدیلی کرنے کی اجازت دی ہے"

اقتباس کا یہ آخری فقرہ جو درحقیقت آپ کے اس مضمون کی جان ہے اور جس کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے آپ نے اسے خط کشیدہ لکھا ہے - یہی دراصل سب سے بڑی

غلطی ہے۔ آپ براہِ کرم کسی ایسی آیت کی نشاندہی کریں جس میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآنی حدود کے اندر رہتے ہوئے اُن قانونی جزئیات میں تبدیلی کر لینے کی اجازت دی ہو جو قرآن مجید میں مقرر کر دی گئی ہیں۔ آپ اللہ کی طرف ایک ایسی بات منسوب کر رہے ہیں جو اُس نے بالکل نہیں کہی اور جو دین کے سراسر منافی ہے۔ اللہ نے تو اپنا دین نازل ہی اس لیے کیا ہے کہ لوگ اپنی زندگی کے انفرادی اور اجتماعی ڈھانچوں کو اس کے مطابق ڈھالیں اور آپ اس کے خلاف اس بات کی تلقین کر رہے ہیں کہ دین کو وقتی تقاضوں اور مصلحتوں کے مطابق ڈھال دیا جائے۔ یہ ایک بُرا بول ہی نہیں بلکہ ایک ایسی جسارت ہے جس کی توقع آپ جیسے صاحبِ علم سے قطعاً نہیں کی جاسکتی۔ یہی وہ طرزِ فکر ہے جسے ہم دینِ حنیف کے لیے خطرناک سمجھتے ہیں۔ دینِ حق کوئی سیال چیز نہیں جو ہر سانچے میں ڈھل جائے بلکہ وہ انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے ایک ازلی و ابدی ضابطۂ حیات ہے اور دنیا کے ہر فرد سے اس بات کا شدید تقاضا کرتا ہے کہ وہ اپنی جملہ خود مختاریوں سے یکسر دست بردار ہو کر اپنے آپ کو بالکلیہ اس کا پابند کر دے۔ اسی سے اُس کی نجات وابستہ ہے اور اسی میں اُس کی فلاح و کامرانی کا راز مضمر ہے۔ زمانے کے پیہم بدلتے ہوئے تقاضوں اور وقت کی سیمابی مصلحتوں کو اگر معیار بنا کر دین کو اُس کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی جائے تو اسلام کا مقصدِ وجود ہی ختم ہو جاتا ہے۔ اسلام تو دنیا میں آیا ہی اس لیے ہے کہ وہ ہر دور میں نوعِ انسانی کے لیے شمعِ ہدایت کا کام دے۔ لیکن جس حیثیت سے اُسے آپ پیش کر رہے ہیں اُس میں تو اُس کی پوزیشن اُس وفادار غلام کی سی بن جاتی ہے جس کا کام آقا کے ہر فعل کے لیے وجہِ جواز تلاش کرنا ہے۔ قرآنِ مجید نے تو خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ منصب نہیں عطا کیا کہ آپؐ کسی امرِ خداوندی میں تبدیلی کریں۔ یہ مضمون قرآن مجید میں مختلف مقامات میں درج ہے۔ میں طوالت کے خوف سے صرف چند آیات پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ	(اے محمد)! ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب بھیجی جو
مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ	حق لے کر آئی ہے اور الکتاب میں سے جو کچھ اس کے

وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ ط (المائدہ۔ رکوع ۷)

آگے موجود ہے اس کی تصدیق کرنے والی اور اُس کی محافظ و نگہبان ہے لہٰذا تم خدا کے نازل کردہ قانون کے مطابق لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرو اور جو حق تمہارے پاس آیا ہے اس سے مُنہ موڑ کر اُن کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔

قُلْ إِنَّ هُدَى اللهِ هُوَ الْهُدَىٰ ط وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ لا مَا لَكَ مِنَ اللهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ (بقرہ۔ رکوع ۱۴)

کہدو کہ راستہ بس وہی ہے جو اللہ نے بتایا ہے ورنہ اگر اُس علم کے بعد، جو تمہارے پاس آچکا ہے تم نے لوگوں کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ کی پکڑ سے بچانے والا کوئی دوست اور مددگار تمہارے لیے نہیں ہے۔

قُلْ إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللهَ وَلَا أُشْرِكَ بِهِ ط إِلَيْهِ أَدْعُو وَإِلَيْهِ مَآبِ ۔ وَكَذَٰلِكَ أَنْزَلْنَاهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ط وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا وَاقٍ ۔

(الرعد۔ رکوع ۵)

کہدو مجھے تو صرف اللہ کی بندگی کا حکم دیا گیا ہے اور اس سے منع کیا گیا ہے کہ کسی کو اس کے ساتھ شریک ٹھہراؤں۔ لہٰذا میں اسی کی طرف دعوت دیتا ہوں اور اسی کی طرف میرا رجوع ہے۔" اس ہدایت کے ساتھ ہم نے یہ فرمانِ عربی تم پر نازل کیا ہے۔ اب اگر تم نے اس علم کے باوجود جو تمہارے پاس آچکا ہے لوگوں کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ کے مقابلے میں نہ کوئی تمہارا حامی و مددگار ہے اور نہ کوئی اس کی پکڑ سے تم کو بچا سکتا ہے۔

یہ واقعہ بھی خود قرآن میں مذکور ہے کہ سرکارِ رسالتمآب نے ایک مرتبہ ایک حلال چیز (شہد)

کو اپنے اوپر حرام کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر تنبیہ فرمائی :

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ (سورۂ تحریم)

اے نبی وہ چیز حرام کیوں کرتے ہو جس کو تمہارے لیے خدا نے حلال کیا ہے۔

اِن آیات کے مطالعہ سے یہ بات بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ جب خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی الٰہی احکام سے ہٹنے کا اختیار نہیں ہے تو بادشاہ کو یہ اختیارات کیسے حاصل ہو سکتے ہیں؟ اور ایک مسلمان کس طرح یہ سوچ سکتا ہے کہ جو امور کلّی یا جزئی طور پر قرآن میں طے کر دیئے گئے ان میں وہ ردّ و بدل کر لینے کا مجاز ہے۔

پھر یہ معاملہ صرف قرآنِ حکیم تک ہی محدود نہیں بلکہ مسلمانوں کو اس بات کا بھی حکم دیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی ہدایات و احکام کی جو تشریحات فرمائی ہیں ان کی بھی وہ بے چون و چرا پیروی کریں۔ آپؐ کی ان تشریحات کے مقابلہ میں امت کے کسی فرد یا گروہ کے خیالات و افکار کی کوئی حیثیت نہیں ہو سکتی اور کسی شخص یا جماعت کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ جو کچھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو اُس میں وہ کوئی اصولی یا جزوی تبدیلی کر سکے۔ چنانچہ حکم دیا گیا ہے :

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (حشر رکوع ۱)

جو تم کو رسول نے دیا اُس کو لے لو اور جس سے تم کو روکا اُس سے باز رہو۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (النساء : ۹)

پس نہیں، تمہارے رب کی قسم (اے محمد) وہ مومن نہیں ہیں جب تک کہ ان تمام جھگڑوں میں جو ان کے درمیان واقع ہوں وہ تم کو حکم نہ بنائیں اور پھر تمہارے فیصلے سے اپنے دلوں کے اندر کوئی تنگی بھی محسوس نہ کریں بلکہ (تمہارے فیصلے) کو سر بسر تسلیم کر لیں۔

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا

ایمان لانے والوں کا کام تو یہ ہے کہ جب وہ اللہ

إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

اور اُس کے رسول کی طرف بلائے جائیں تاکہ رسول اُن کے درمیان فیصلہ کرے تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی، وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

قرآن مجید کی محولہ بالا آیات تو آپ کے اس فلسفۂ اجتہاد کی کھلی کھلی تردید کر رہی ہیں کہ ہم خدا اور رسول کے قانونی احکام میں بھی ردّ و بدل کر لینے کے مجاز ہیں۔

آئیے اب ہم خلفائے راشدین کے طرزِ عمل پر بھی ایک نگاہ ڈال لیں جس سے اندازہ ہو جائے گا کہ کتاب و سنت کے معاملے میں اُن کا موقف آپ سے کس قدر مختلف تھا۔ یہ حضرات کسی امر کا فیصلہ کرتے ہوئے یہ نہیں دیکھتے تھے کہ وقت کا مطالبہ کیا ہے بلکہ صرف یہ جاننے کی کوشش کرتے تھے کہ اس کے بارے میں خدا اور رسولؐ نے انہیں کیا حکم دیا ہے۔ سیرتِ صحابہؓ میں بے شمار واقعات ایسے ملتے ہیں کہ ان پاکباز انسانوں نے کتاب و سنت کا حکم معلوم ہو جانے کے بعد اپنے بہت سے کیے ہوئے فیصلے بدل دیئے، محض معمولی باتوں ہی میں نہیں بلکہ ایسے معاملات میں بھی جو مسلمانوں کے لیے زندگی و موت کا حکم رکھتے تھے۔ دارمی نے میمون بن مہران کے واسطہ سے حضرت صدیقؓ کا طرزِ عمل ان الفاظ میں نقل کیا ہے:-

اذا ورد علیه الخصم نظر فی کتاب الله فان وجد فیه ما یقضی به بینهم قضی بینهم وان لم یکن فی الکتاب وعلم من رسول الله صلی الله علیه وسلم فی ذالك الامر سنة قضی بها فان اعیاه خرج فسأل المسلمین وقال اتانی کذا وکذا فهل علمتم ان رسول الله

جب ان کے سامنے کوئی اختلافی مسئلہ درپیش ہوتا تو اس کا فیصلہ کرنے کے لیے وہ سب سے پہلے کتاب اللہ میں غور فرماتے۔ اگر کتاب اللہ میں حکم مل جاتا تو اسی کے مطابق فریقین فیصلہ کرتے اور اگر کتاب اللہ میں اس کا کوئی حکم نہ ملتا اور سنت نبوی میں مل جاتا تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے تھے۔ اگر کتاب و سنت دونوں میں اس کا حکم نہ ملتا تو عام مسلمانوں سے دریافت فرماتے تھے

صلی اللہ علیہ وسلم قضی فی ذالك بقضاء فربما اجتمع علیہ النفر كلهم يذكر عن رسول الله فيه قضاءً فيقول ابوبكر الحمد لله الذى جعل فينا من يحفظ علينا ديننا

کہ اگر تم میں سے کسی کو اس طرح کے معاملہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فیصلے کا علم ہو تو بتائے۔ چنانچہ بسا اوقات متعدد آدمی آکر اس کے بارے میں سنت نبوی کی اطلاع دیتے تو آپ اس کے مطابق فیصلہ دے دیتے اور پھر فرماتے، خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہم میں ایسے اشخاص پیدا کیے جو ہمارے لیے ہمارے دین کو محفوظ کیے ہوئے ہیں۔

اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ کا وہ فرمان بھی پیشِ نظر رکھنا چاہیے جو آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو بھیجا تھا۔

"جو مسائل ایسے پیش آئیں جن کا حکم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے نہ معلوم ہو۔ ان میں بڑی سمجھداری سے کام لینا۔ اور جو امور پہلے سے ثابت شدہ ہیں ان پر نئے مسائل کو پیش کرنا اور ان کے امثال و نظائر کو سامنے رکھنا۔ پھر جب کسی نتیجہ پر پہنچ جانا تو فیصلہ دیتے وقت یہ بات ذہن میں تازہ رکھنا کہ وہی فیصلہ کرنا ہے جو خدا کو پسند اور حق کے قریب ہو۔"

ان تفصیلات کے مطالعہ کے بعد یہ کہنا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا کہ اسلام ہمیں وقتی مصلحتوں کے مطابق اُن احکام میں اصولی یا جزئی تبدیلی کرنے کی اجازت دیتا ہے جو خدا اور رسول سے منصوص ہوں۔

آپ کے اقتباسات کے آخری حصے بھی ایک ایسے طرزِ فکر کی غمازی کرتے ہیں جنہیں کسی طرح بھی صحیح نہیں کہا جا سکتا:

"شاید بعض لوگ کہیں کہ ہمارے اکابر ائمہ نے پوری تلاش، چھان بین اور تدبر کے بعد اسلامی قانون بنائے ہیں اور اُن میں ہر زمانے اور ہر ملک کی ضروریات کا لحاظ رکھا

گیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہمارے فقہاء اور علماء نے جو ذخیرہ چھوڑا ہے وہ بڑا قابل قدر ہے۔ ہمیں ان بزرگوں کا ممنونِ احسان ہونا چاہیے۔ لیکن ظاہر ہے کہ وہ مخصوص زمانے اور مخصوص ممالک کے لوگ تھے۔ انہیں عالم الغیب ہونے کا دعویٰ نہ تھا۔ نہ انہیں آئندہ پیش آنے والے واقعات کا علم تھا۔ اس لیے اُن کی آرا کو تمام زمانوں کے لیے کلیہ قرار دینا اسلام کی روح کے منافی ہے۔"

اس ضمن میں پہلی گزارش یہ ہے کہ علماء کا کوئی گروہ ایسا نہیں جو اس بات کا دعویدار ہو کہ ہمارے اکابر ائمہ نے پوری تلاش، چھان بین اور تدبر کے بعد جو اسلامی قانون بنائے ہیں اُن میں ہر زمانے اور ملک کی ضروریات کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ خود وہ اکابرینِ امت جنہوں نے اس عظیم خدمت کو سرانجام دیا، انہوں نے بھی کبھی اس بات کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ گستاخی معاف ہو تو عرض کروں کہ آپ کے اس سارے استدلال میں بنیادی خامی یہ ہے کہ آپ نے اپنے دلپسند نظریہ کو برحق ثابت کرنے کے لیے طریقہ یہ اختیار کیا ہے کہ آپ پہلے ایک غلط مفروضہ قائم کرتے ہیں اور پھر اُس کی تردید کے لیے ایسے دلائل لاتے ہیں جن سے آپ کے نقطۂ نظر کی تائید ہو سکے۔ چنانچہ اسی اقتباس میں دیکھیے کہ پہلے آپ نے ائمہ کی طرف ایک ایسی بات منسوب کی ہے جو انہوں نے کبھی نہیں کہی اور پھر خود اس کی تردید بھی کرتے چلے جاتے ہیں۔ یہ حربہ کسی مناظر کے لیے مفید اور کارآمد ہو تو ہو لیکن یہ طریق آپ جیسے صاحب علم و فضل کو کسی طرح بھی زیب نہیں دیتا۔

پھر اس اقتباس میں آپ یہ بھی دیکھیں کہ آپ زمان و مکان کے اختلاف کو کس طرح ابھار ابھار کر لاتے ہیں اور یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ چونکہ یہ فقہا ایک مخصوص زمانے اور مخصوص علاقے کے لوگ تھے اس لیے اُن کی آراء کو ازلی اور ابدی نہیں قرار دیا جا سکتا۔ آپ کی یہ بات بظاہر بالکل ٹھیک اور درست معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اگر ذرا گہرائی میں اُتر کر اس کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مختلف ادوار میں پیدا ہونے والے ان فقہائے امت کے اجتہادات میں جو اختلاف پایا جاتا ہے اُس کی بنیاد آپ کے نزدیک زمانہ اور ملک ہے۔ اس طرزِ فکر کو کسی طرح بھی درست نہیں

قرار دیا جا سکتا۔ امت کے مختلف ائمہ نے خواہ وہ کسی ملک اور زمانہ سے تعلق رکھتے تھے، جب کبھی ایک دوسرے سے اختلاف کیا ہے تو اس کی بنیاد زمانی اور مکانی مصلحتیں نہ تھیں بلکہ کتاب و سنت تھی۔ جب کسی ایک امام نے کسی دوسرے امام کے استنباط کو رد کیا ہے تو وہ قرآن و سنت سے دلائل لائے ہیں۔ ہمیں تاریخ میں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی کہ زمانہ اور ملک کے تبدیل ہو جانے کی وجہ سے کسی فقہی استنباط کو ساقط الاعتبار قرار دیا گیا ہو۔ دنیا کا ہر مسلمان بڑے سے بڑے فقیہ اور عالم کی رائے کو ترک کرنے پر تیار ہو جاتا ہے بشرطیکہ اس کی کسی رائے کو خدا اور رسول کے فرمان کے خلاف ثابت کر دیا جائے۔ ممکن ہے بعض حضرات یہ کہیں کہ شریعت میں اس امر کی مثالیں بھی موجود ہیں کہ بعض احکام زمانہ کے تغیّر کے ساتھ تبدیل ہو گئے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس چیز کی مثالیں موجود ہیں لیکن ساتھ ہی یہ حقیقت بھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ یہ احکام تمام تر وہی ہیں جو عرف اور مصلحت پر مبنی تھے نہ کہ کتاب و سنت کے نصوص یا ان کے اشارات پر۔ جو اجتہادات عرف یا مصلحت پر مبنی ہوتے ہیں وہ بلاشبہ عرف اور مصلحت کے تبدیل ہو جانے سے بدل جایا کرتے ہیں۔ لیکن یہ اصول صرف عرف اور مصلحت کے دائرہ میں چلتا ہے اس کو ساری شریعت پر منطبق کر دینا اور اصولِ دین سے بے خبری کی ایک نہایت افسوسناک مثال ہے۔

آپ نے معاشرے میں جس ذہنی جمود کا ذکر فرمایا ہے وہ بھی بالکل بے بنیاد ہے۔ ہمارے اس دور کا ہر لکھا پڑھا مسلمان اپنے پرانے علمی و فقہی ورثہ کا جائزہ لینے اور نئی ضرورتوں کے پیشِ نظر مناسب تبدیلیاں کرنے کا خواہشمند ہے۔ یہ ایک ایسی ضرورت ہے جس سے کوئی شخص بھی انکار نہیں کرتا۔ اس میں سب ایک دوسرے سے متفق ہیں۔ اختلاف جس امر میں پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ فقہ میں تبدیلیوں کی اساس اور بنیاد کیا ہونی چاہیے۔ ایک طبقہ کی رائے یہ ہے کہ ان تبدیلیوں کی بنا وقتی مصلحتیں اور ملکی تقاضے ہیں۔ اس طرزِ فکر کو ہم صحیح اور درست نہیں سمجھتے اور اسے اسلامی اصولِ شریعت کے سراسر منافی خیال کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک فقہ میں تبدیلی کی پوری پوری گنجائش

موجود ہے۔ ہم ان بزرگ و برتر ہستیوں کو جنہوں نے یہ فقہ مرتب کی انتہائی عزت واحترام کی نظر سے دیکھنے کے باوجود انہیں بری عن الخطا نہیں سمجھتے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہم تبدیلی کی گنجائش کے صرف اسی صورت میں قائل ہیں جبکہ کوئی شخص یا گروہ دلائل و براہین سے یہ ثابت کر دے کہ ان حضرات کا فلاں فلاں استنباط قرآن وسنت کے مطابق نہیں ہے۔ اس کے بغیر ہم کسی تبدیلی کو جائز نہیں سمجھتے۔ ہمارے ہاں "فقیہ مصلحت پرست" کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ ہم اُس فقیہ کے طالب ہیں جو ہمارا تعلق خدا اور رسول کے ساتھ جوڑ دے اور ہماری کشتِ حیات کو کتاب وسنت کے سرمدی چشموں سے سیراب کر دے۔

ہمارے علمأ اور صلحاء نے بلاشبہ کبھی اس بات کا دعویٰ نہیں کیا کہ اُن کی رائے حرفِ آخر کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس بنا پر ہمیں یہ حق حاصل ہے کہ ہم فقہ اسلامی میں تبدیلیاں کریں لیکن ان تبدیلیوں کی اساس بھی صرف کتاب وسنت ہی بن سکتی ہے۔ یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ ہمارے بزرگوں نے اگرچہ مختلف زمانوں اور ملکوں میں جنم لیا اور مختلف حالات میں اپنی زندگیاں گزاریں لیکن انہوں نے کبھی بھی تعلیماتِ الٰہی کو وقتی ضروریات کے مطابق نہیں ڈھالا بلکہ ہمیشہ کتاب وسنت کو معیار مان کر ضروریات کو اُس کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی۔

بیجا نہ ہوگا اگر آخر میں یہ بھی عرض کر دوں کہ میں پوری غور و فکر کے باوجود اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہوں کہ آپ جو یہ ثابت کرنے کی کوشش فرما رہے ہیں کہ قرآن مجید کوئی قانون کی کتاب نہیں تو اس سے آپ کا مقصد کیا ہے۔ مسلمانوں کی حکومت ہو اور پھر اس میں قرآن کے احکام کو قانون نہ مانا جائے، یہ چیز کسی ایسے شخص کے لیے قابلِ تصور نہیں ہے جو قرآن کے احکام کو سمجھ کر اس پر ایمان لایا ہو۔ کفار کی حکومت میں تو قرآن کے احکام بلاشبہ قانون نہیں ہوں گے کیونکہ وہ اسے کتابِ الٰہی نہیں مانتے، لیکن جہاں اس کو کتابِ الٰہی ماننے والے بھیلیچر اور بیچ ہوں وہاں اس کا قانون نہ ہونا لازماً یہی معنی رکھتا ہے کہ یا تو وہ ایمان نہیں رکھتے یا پھر اس بات کا شعور نہیں رکھتے کہ ایمان کے تقاضے کیا ہیں۔ اگر لوگ غلط فہمی یا جہالت کی بنا پر کسی چیز کو غلط حیثیت دے دیں تو اس سے حقیقت تو ساقط الاعتبار نہیں ہو سکتی۔ حقیقت تو اپنی جگہ ہمیشہ حقیقت ہی رہتی ہے اور اس امر کی قطعاً محتاج

(باقی صــ)